کے رکن اور شریک کار بنے یا نہیں۔ اور اگر بنے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا ایسا کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز تھا یا نہیں۔ مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "حضرت یوسف علیہ السلام کی حیثیت مصر میں غیر خدائی نظام حکومت کے شریک کار کی نہ تھی"۔ اور تعجب ہے کہ اپنی اس رائے کی تائید میں کلام پاک کی وہی آیت قال اجعلنی الی آخرہ پیش کرتے ہیں جو در اصل اس کے ضد کو ثابت کرتی ہے۔

آیت مذکور کا لفظی ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"یوسف نے کہا مجھکو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا۔ اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا۔"

اب دیکھیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرعون مصر سے خواہش کرتے ہیں کہ تو مجھکو اپنے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دے فرعون آپکا مطالبہ منظور کرتا ہے اور آپ فرعون کے محکمہ مال کے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ آپ فرعون کے نظام حکومت کے ایک رکن یا شریک کار بن جاتے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب اس بدیہی نتیجہ سے بچنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں جبکہ وہ فرماتے ہیں کہ "مطالبہ کلی اختیارات کا تھا اور ملے بھی کلی اختیارات"...... اول تو کلی کا لفظ کلام پاک میں ہے نہیں، یہ لفظ مولانا اپنی طرف سے کلام پاک کی عبارت پر بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ کلام پاک مولانا کے ذاتی نظریوں کا تابع ہو جاوے نہ یہ کہ مولانا اپنے ذاتی نظریوں کی اصلاح مفہوم قرآنی کے مطابق کرلیں۔ اسی جیسی ذہنیت کے متعلق جناب اقبال مرحوم نے کہا تھا "خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں"۔ لیکن اس کلی کے لفظ کے ناجائز اضافے سے بھی مولانا کے اجتہاد یا نظریہ کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کلی اختیارات مال کا مطالبہ کیا تھا اور کلی اختیارات ہی ملے تھے لیکن وہ اختیارات فرعون مصر ہی سے تو مانگے گئے تھے اور فرعون مصر ہی نے تو وہ اختیارات عطا کیے تھے اس لیے باوجود ان کلی مالی اختیارات کے حضرت یوسف علیہ السلام کی حیثیت اس وقت کے نظام حکومت میں ایک رکن یا ایک شریک کار سے زائد کی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح مولانا مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ "حضرت یوسف علیہ السلام کا مطالبہ یہ تھا کہ سلطنت مصر کے تمام وسائل میرے اختیار میں دیدیے جاویں اور اس کے نتیجہ میں جو اختیارات ان کو ملے وہ ایسے تھے کہ پھر ساری سرزمین مصر ان کی تھی"۔ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ یہ مان بھی لیا جاوے کہ یوسف علیہ السلام نے مال کے جملہ اختیارات کا مطالبہ کیا تھا اور مال کے جملہ اختیارات آپ کو تفویض ہو گئے تھے تاہم سلطنت میں مال کے علاوہ بہت سے دیگر محکمے ہوتے ہیں مثلاً پولیس، فوج، عدالت۔ ان میں سے نہ کسی کا مطالبہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے کیا گیا نہ یہ محکمے آپ کے سپرد کیے گئے تو پھر مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ "جو اختیارات انھیں ملے وہ ایسے تھے کہ پھر ساری سرزمین مصر ان کی تھی"۔ بالکل بے بنیاد ہے۔

اس لیے یوسف علیہ السلام کی حیثیت مصر کے خزائن پر متصرف ہونے کے بعد بھی سلطنت کے ایک رکن یا شریک کار کی رہتی ہے جب تک کہ کسی ذریعہ سے یہ ثابت نہ ہو کہ فرعون مصر اپنی سلطنت اور حکومت سے دست بردار ہو گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام اس کی جگہ مصر کے بادشاہ اور ملک بن گئے تھے سو یہ تاریخ سے ثابت ہے نہ کلام پاک سے بلکہ خود کلام پاک سے بصراحت اس کی تردید ہوتی ہے۔

آیت زیر بحث سے عین ماقبل یہ آیات ہیں

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي	انھیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انھیں اپنے لیے چن لوں
فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ	پھر جب اس نے (یعنی یوسف علیہ السلام) بات کی کہا بیشک آج ہمارے یہاں معزز معتمد ہو۔

ان ہر دو آیات سے بالکل واضح ہے کہ فرعون مصر نے یوسف علیہ السلام کو اپنی سلطنت کا معزز اور معتمد رکن اور اپنا مشیر خاص بنایا۔ ان آیات میں اس بات کا شائبہ بھی نہیں کہ فرعون مصر اپنی سلطنت یا اپنے اختیارات سے دست بردار ہو گیا۔ نیز ایک مابعد کی آیت سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خزائن مصر پر متصرف ہونے کے عرصہ بعد تک فرعون مصر کی سلطنت قائم تھی اور فرعون مصر کا دین ہی ملک میں جاری تھا کیونکہ جب برادران یوسف دوسری مرتبہ غلہ کی بھرتی کرنے آئے ہیں اور اپنے ساتھ حضرت یوسفؑ کی خواہش کے مطابق حضرت یوسفؑ کے حقیقی بھائی بن یامین کو بھی لائے اور حضرت یوسف نے اپنے بھائی بن یامین کو اپنے پاس رکھا اور بن یامین پر ظاہر بھی کر دیا کہ وہ ان کا حقیقی بھائی ہے مگر اپنے دوسرے بھائیوں پر اس امر کو ظاہر نہیں کیا اور چونکہ حضرت یوسف بن یامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے اس لیے دوسرے بھائیوں پر اس امر کے ظاہر کیے بغیر کہ بن یامین ان کا بھائی ہے اس کی یہ تدبیر کی کہ جب برادران یوسف کے واسطے ان کا اسباب تیار کر دیا گیا تو بن یامین کے اسباب میں ایک پانی پینے کا پیالہ رکھوا دیا اور جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو موذن یا پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلہ والو تم البتہ چور ہو۔ برادران یوسف نے اس سے انکار کیا تو پکارنے والے نے کہا کہ کیا سزا ہے اس کی اگر تم نکلے جھوٹے۔ برادران یوسف نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں ہاتھ آوے وہی اس کے بدلے میں جاوے۔ ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو۔ اس کے بعد تلاشی لی گئی اور پیالہ بن یامین کے اسباب میں سے برآمد ہوا۔ چنانچہ بن یامین پیالے کے بدلے میں روک لیے گئے۔ اس موقع پر ارشاد خداوندی ہے "ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک الا ان یشاء اللہ۔" جس کا لفظی ترجمہ ہے" وہ (یعنی یوسف) ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ۔"

خط کشیدہ عبارت صاف بتاتی ہے کہ مصر کا ملکی قانون اس وقت تک مصر میں جاری تھا اور اس قانون کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بن یامین کو چوری کے الزام میں اپنے بھائیوں سے نہیں لے سکتے تھے مگر خداوند عالم نے خود ان کے بھائیوں کے منہ سے کہلوا دیا کہ چوری کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے چوری کا مال ہاتھ آوے وہی اس کے بدلے میں جاوے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کی جو تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے کی ہے وہ یہ ہے کہ "یعنی بھائیوں کی زبان سے آپ ہی نکلا کہ جس کے پاس سے مال نکلے اس کو غلام بنا لو۔ اس پر پکڑے گئے ورنہ حکومت مصر کا قانون یہ نہ تھا اگر ایسی تدبیر نہ کی جاتی کہ وہ اپنے اقرار میں بندھ جاویں تو ملکی قانون کے مطابق کوئی صورت بن یامین کے روک لینے کی نہ تھی۔"

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ملک مصر کی وزارت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے تبلیغ کا کام نہیں کیا یا اپنی رسالت کے اعلان سے گریز کیا بر خلاف اس کے صاحب ممدوح نے اس وقت جبکہ آپ ابھی جیل میں تھے اسی وقت وحدانیت کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ساتھی قیدیوں سے فرماتے ہیں یٰصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموہا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بہا من سلطان ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ۔ اسی طرح وزارت کے عہدہ پر متمکن ہونے کے بعد بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا تبلیغ کا کام ضرور جاری رکھا ہوگا۔ البتہ جو بات ان آیات سے بلا شک و شبہ کے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک غیر اسلامی نظام حکومت کے رکن خود اپنی خواہش اور درخواست پر بنے اور حضرت یوسف کے اس حکومت کے رکن بننے کے بعد بھی ملک میں غیر اسلامی نظام حکومت اور غیر اسلامی قانون ہی نافذ رہا اور یوسف علیہ السلام کے اس عمل پر بجائے اس کے کہ خداوند عالم کی طرف سے کوئی سرزنش کی جاوے یوسف علیہ السلام کے اس عمل کو ایک طرح سے سراہا جاتا ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے اس تمکن فی الارض کو انعام خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوا منہا حیث یشاء"۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان

تو مسلمان ابنائے ملک کے لیے غیر اسلامی نظام حکومت کا رکن بننا جائز ہے اور جائز ہی نہیں بلکہ بعض صورتوں میں بطور فرض کفایہ کے واجب ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خود خواہش کر کے مصر کے خزائن پر متصرف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنے کو یوسف علیہ السلام اپنے لیے جائز ہی نہیں بلکہ اپنے اوپر واجب خیال فرماتے تھے ورنہ وہ فرعون سے ایسی خواہش کبھی نہ فرماتے اور نہ ایسی خواہش کرتے وقت وہ اپنے حفیظ و علیم ہونے کا اظہار کرتے کیونکہ اگر آپ کے نزدیک ملک مصر کا وزیر بننا آپ پر لازم اور واجب نہیں تھا تو آپ کا اپنے آپ کو حفیظ اور علیم بتانا بیجا مدح سرائی اور خودستائی میں داخل ہوتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کا حاشیہ جو اس آیت پر مولانا نے لکھا ہے بڑی حد تک میرے خیال کی تائید کرتا ہے چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:۔

"یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کروں گا اور اس کی آمد و خرچ کے ذرائع اور حساب و کتاب سے بھی خوب واقف ہوں۔ یوسف نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے ذمہ لیا تاکہ اس ذریعہ سے عامہ خلائق کو پورا نفع پہنچا سکیں خصوصاً آنے والے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمدردی خلائق کے لیے مالیات کے قصوں میں پڑنا شان نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ نیز اگر ایک آدمی نیک نیتی سے یہ سمجھے کہ فلاں منصب کا میں اہل ہوں اور دوسروں سے یہ کام اچھی طرح نہ بن پڑے گا تو مسلمانوں کی خیر طلبی اور نفع رسانی کی غرض سے اس کی خواہش یا درخواست کر سکتا ہے۔ اور اگر حسب ضرورت اپنے بعض خصال حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنا پڑے تو یہ ناجائز مدح سرائی میں داخل نہیں ہے۔"

مولانا عثمانی صاحب کی اوپر کی تفسیر سے بھی ناظرین کرام پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ حضرت یوسف نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے ذمہ لیا تھا وہ مختار کل یا خود مختار حاکم نہیں بن گئے تھے۔ عبدالغفار صاحب چند واڑی جن کا مراسلہ "مسلمان" لاہور مورخہ ۳ر جنوری سنہ ۴۲ء میں شائع ہوا ہے اپنے مراسلہ میں فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انگریزی عدالتی اور پولیس کی نوکری جائز ہے و نیز مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے بھی بشرط عدم ظلم و معصیت جائز لکھا ہے بلکہ ضرورتاً مقصد اسلامی قرار دیا ہے۔"

علماء متاخرین میں حکیم الامۃ مولانا مولوی اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مسلمہ طور پر اس پایہ کے فقیہ تھے کہ ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک بھی موجودہ نظام حکومت میں ملازمت کرنا ناجائز نہیں تھا کیونکہ ان کے بعض اہل خلیفہ سرکاری ملازم تھے جیسے مولانا خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری۔

جمعیۃ العلماء ہند جو ہندوستان کے مستند علماء کی سب سے بڑی جماعت ہے اس کے نزدیک بھی موجودہ نظام حکومت کا رکن بننا ناجائز نہیں ہے، کیونکہ علماء کی اس محترم جماعت کے علم اور اجازت سے پچھلی کانگریسی حکومتوں کے دور میں بہت سے مسلمان کانگریسی حکومتوں کے ممبر بنے۔ اس لیے جمہور علماء کا مسلک یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام کا رکن بننا اور اس حکومت کے نظام میں حصہ لینا ناجائز نہیں ہے۔ پس اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا فرعون کی حکومت کا رکن یا شریک کار بننا درانحالیکہ وہ حکومت اپنے کفر پر قائم تھی ہمارے لیے ایک سند کا کام دے سکتا ہے یا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور جمہور علماء ہند کا اس باب میں اجتہاد ہمارے لیے قابل اتباع ہے تو مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کے وہ سب فتاوے جو مسلمانوں کو موجودہ نظام حکومت میں کسی حیثیت سے ملازمت کرنے سے روکتے ہیں اور ایسے مسلمانوں کی اس آمدنی کو جو ان ذرائع سے ہوئی ہو حرام بتاتے ہیں مثل حرف باطل کے مٹا دینے کے قابل ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال اور عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے موجودہ نظام حکومت میں

شریک کار ہونا نہ صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ بطور فرض کفایہ کے واجب ہے جس کی تائید میں علاوہ اوپر کی نقلی دلائل کے کچھ عقلی دلائل بھی پیش کی جاتی ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) اگر کسی غیر مسلم نظام حکومت میں مسلمانوں کو کچھ اختیارات حاصل ہیں یا مسلمانوں کو اتنی قدرت ہے کہ اس غیر مسلم حکومت میں وہ کچھ اختیارات حاصل کر سکیں تو ان اختیارات سے بالکل دست بردار ہو جانا یا باوجود قدرت کے اس غیر مسلم حکومت میں اختیارات حاصل نہ کرنا کس طرح خدمت دین یا اسلام ہو سکتا ہے۔ صحیح نقطۂ نظر تو غالباً اس امر کا متقاضی ہوگا کہ اگر مسلمان کفرستان میں یا کسی غیر مسلم حکومت کے تحت رہتے ہیں تو اس کفرستان یا غیر مسلم حکومت کے نظام میں جس قدر اختیارات حاصل کرنے پر بھی مسلمانوں کو قدرت ہو اس قدر اختیارات مسلمان ضرور حاصل کریں کیونکہ جس نسبت سے کسی کفرستان میں مسلمانوں کو اختیارات حاصل ہوں گے اسی نسبت سے کفر کا زور گھٹے گا (یہ میرے ایک مضمون "اسلامی جماعت" اور دیگر سیاسی جماعتوں کے پروگرام کا تقابل مطبوعہ منشور دہلی مورخہ ۲۴ و ۳۱ جنوری ۱۹۴۳ء کا انتخاب ہے تفصیل کے لیے مضمون ملاحظہ ہو)

(۲) مسلمان اگر کسی غیر اسلامی نظام حکومت میں بطور محکوم کے رہتے ہیں اور اس نظام حکومت میں ان کا کوئی حصہ، ان کا کوئی دخل، ان کو کوئی اختیار نہیں ہے تو ایسی صورت میں ان کی محکومیت اور غلامی درجۂ اتم کو پہنچ جاتی ہے جس نسبت سے مسلمانوں کو اس حکومت میں بذریعہ اس حکومت کی رکنیت کے بطور اس حکومت کے شریک کار ہونے کے اختیارات حاصل ہوتے جاویں گے اسی نسبت سے ان کی محکومیت اور ان کی غلامی میں کمی آتی جاوے گی۔

(۳) مسلمان ایک غیر مسلم نظام حکومت میں بطور محکوم کے رہتے ہیں اس حکومت کی مشینری میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اس حکومت کی مشینری کا کوئی کل پرزہ ان کے اختیارات اور قبضہ میں نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ اس ملک میں ایک دوسری قوم بھی بطور محکوم کے رہتی ہے۔ مگر یہ دوسری قوم حکومت کی مشینری میں حصہ دار ہے اور برابر کوشش کرتی ہے کہ اس کا حصہ اور اختیار اس مشینری میں روز بروز بڑھتا جاوے اگر کسی وقت یہ نظام حکومت درہم برہم ہو جاوے تو بظاہر اسباب مسلمانوں کو جو اب تک اس حکومت کی مشینری سے بالکل باہر تھے اس حکومت کی مشینری پر قبضہ کرنے میں زیادہ سہولت ہوگی یا اس دوسری قوم کو جو پہلے سے اس حکومت کی مشینری کے کل پرزوں سے واقف ہے اور ان میں سے بہت سوں پر پہلے سے قابض ہے۔

(۴) مسلمان مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کی ہدایت کے مطابق فرض کیجیے کہ موجودہ نظام حکومت سے ہر قسم کا اشتراک عمل ترک کر دیتے ہیں۔ نہ اس کی ملازمت اختیار کرتے ہیں نہ اس کی کسی قسم کی رکنیت قبول کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اس عدم تعاون سے کوئی ذرہ بھر نقصان بھی اس نظام حکومت کو پہنچتا ہے یا حکومت کی مشینری کے چلنے میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ رکاوٹ بھی پیدا ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ کچھ نہیں (اگر کوئی صورت ہے کہ جس میں مسلمانوں پر کسی غیر اسلامی حکومت کے ساتھ عدم تعاون کرنا ضروری ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ ایسے عدم تعاون سے اس حکومت کی گاڑی کا چلنا بالکل بند ہو جاوے یا اس کے چلنے میں معتد بہ رکاوٹ پیدا ہو جاوے) برخلاف اس کے مسلمان اس عدم تعاون کی وجہ سے بہت سے ضروری علوم و فنون اور معلومات سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں، مثلاً ریلوے، تار برقی، ریڈیو۔ یہ سب محکمات گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں۔ مسلمان ان محکموں میں ملازمت یا ان میں شریک کار ہونے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اگر مسلمان مثلاً ریلوے میں کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں تو مسلمان بحیثیت ایک قوم اصل ایک تحریک پیروؤں کے ریلوے کی عمل و تعامل [illegible] سے ناواقف و نابلد رہتے ہیں نہ ہم کو ریلوے لائن ڈالنی آوے گی، نہ ریلوے انجینیرنگ کے کام سے واقفیت ہوگی، نہ لوکو موٹو [illegible]

انجن بنانا آوے گا، نہ ریلوے کی سڑک اور پل تیار کر پائیں گے۔ اسی طرح تار برقی کا محکمہ حکومت کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ اس محکمہ میں ملازمت کرنے یا اس کے رکن بننے سے احتراز کرنے کی صورت میں تار برقی کے کام سے بھی بالکل ناواقف رہیں گے۔ یہی حال ریڈیو وغیرہ کا ہے۔ یہی حال ہمارا دیگر محکمات کے متعلق ہوگا۔ برخلاف اس کے ہندوستان کی دیگر اقوام اپنے تعاون کی وجہ سے نہ صرف ان محکمات کے عمل سے واقف ہوں گے بلکہ ان محکمات کے عمال کی حیثیت سے بڑی حد تک ان محکمات پر قابض ہوں گے۔ لہٰذا اگر موجودہ نظام حکومت کسی وقت اپنے مواعید کے مطابق حکومت سے دست کش ہو جاوے یا ہندوستان کی رائے عامہ موجودہ نظام حکومت کو حکومت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دے تو کون اس کا زیادہ اہل ہوگا کہ ان محکمات ریلوے، تار، ریڈیو وغیرہ پر قبضہ کر سکے۔ مسلمان جو ان محکموں کے کام سے بالکل ناواقف ہیں یا دیگر اقوام جو یہی نہیں کہ ان محکموں کے کام (Working) سے واقف ہوں گے بلکہ ان محکموں پر اس وقت بڑی حد تک قبضہ بھی پہلے سے کیے ہوئے ہوں گے۔

اوپر کی تقریر سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ غیر اسلامی نظام حکومت کا رکن بننا یا اس کے عدالت اور مال کے محکموں میں عہدے قبول کرنا جائز ہی نہیں بلکہ بطور فرض کفایہ کے واجب ہے تو یہ آپ سے آپ طے ہوگیا کہ ایسی عدالتوں میں بطور مدعی یا مدعا علیہ کے جانا جائز ہے مگر مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کا بڑی سختی کے ساتھ اصرار ہے کہ ان عدالتوں میں بحیثیت مستغیث یا مدعی کے جانا حرام ہے۔ اس نظریے کی مکمل تردید میں اپنے مضمون اسلامی جماعت اور دیگر سیاسی جماعتوں کے پروگرام کا تقابل مطبوعہ منشور دہلی مورخہ ۴ ، ۱۰ ، ۲۴ جنوری ۱۹۴۶ء میں کر چکا ہوں۔ اس وقت اس بحث کے متعلق صرف ایک دو موٹی موٹی باتیں ہدیہ ناظرین کرنا چاہتا ہوں۔

اگر انگلستان، جرمنی یا امریکہ میں کچھ انگریز، جرمن یا امریکن (American) اسلام قبول کر لیں، جیسا کہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اور ان مسلمانوں میں سے کسی کا مکان یا زمین کوئی انھیں ملکوں کا غیر مسلم غصب کر لے، یا اس مسلمان کی عورت کو کوئی غیر مسلم اغوا کر لے جائے یا ان مسلمانوں میں سے کسی مسلمان عورت کے ساتھ کوئی مسلمان یا غیر مسلم زنا بالجبر کرے یا ان میں سے کسی مسلمان کو کوئی غیر مسلم قتل کر دے یا اس قسم کے واقعات مسلمانوں کے ساتھ خود یہاں ہندوستان میں پیش آویں جیسا کہ آئے دن پیش آتے رہتے ہیں تو کیا مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کے نزدیک ان مظالم کی بابت ملکی عدالتوں کی طرف رجوع کرنا اور ان میں استغاثہ دائر کرنا ناجائز اور حرام ہے؟ اگر ہے تو کیا یہ نظریہ دین میں بجائے عسر پیدا کرنے کا مترادف نہیں ہے؟ اگرچہ اسلام دین میں یسر پیدا کرنا چاہتا ہے نہ کہ عسر۔ ان اللّٰہ یرید بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الحج۔ ۷۸) کیا اسلام جیسا مذہب اپنے پیروؤں کو ایسی تکلیف مالایطاق دے سکتا ہے؟ کیا انگلستان یا جرمنی کے مسلمانوں پر شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ لازم ہے کہ اگر ان ملکوں میں کوئی مسلمان یا غیر مسلم یا ہندوستان میں کوئی مسلمان یا غیر مسلم ان کے حقوق کو غصب کرے تو وہ اس کی دادرسی کے لیے اس وقت تک کا انتظار کرے جب تک ان ممالک میں خالص اسلامی حکومت قائم نہ ہو جاوے؟ کیا محض اس بات کا علم ہی کہ مسلمان ان ملکوں میں اپنے حقوق کے اتلاف کی کوئی دادرسی ملکی عدالتوں میں نہیں کریں گے غیر مسلموں کو خاص طور پر اس پر دلیر نہیں کر دے گا کہ وہ بے دھڑک مسلمانوں کے حقوق کا اتلاف کریں؟ مودودی شریعت مسلمانوں کے لیے ایسی تنگی اور عسر پیدا کرنے کی روادار ہو تو ہو اسلامی شریعت ایسی تنگی پیدا کرنے کی روادار نہیں ہو سکتی۔ مسلمان خود حضورؐ کے زمانہ میں ہجرت کر کے حبشہ گئے اور کئی سال تک حبشہ میں رہے کیا کوئی حدیث یا روایت ایسی ہے کہ جو یہ ثابت کرتی ہو کہ اس ہجرت کے زمانہ میں مسلمانوں کو ملکی عدالتوں میں استغاثہ کرنے سے روکا گیا تھا؟ مسلمان چین میں بطور فاتح کے کبھی نہیں گئے بلکہ بطور تجار کے گئے اور ان کی بڑی بڑی آبادیاں چین میں قائم ہوگئیں اور اب تک ہیں۔ مسلمان اور غیر مسلمین

کے درمیان کچھ نہ کچھ مناقشات ان مقدموں میں ضرور ہوئے ہوں گے۔ کیا مسلمان ان سب گزشتہ صدیوں میں ملکی عدالتوں میں استغاثہ دائر کرنے سے پرہیز کرتے رہے؟ اگر نہیں پرہیز کیا اور ملکی عدالتوں میں استغاثے دائر کرتے رہے تو کیا ان کا یہ سب عمل ناجائز اور حرام تھا؟ مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کی طرف سے کہا جاوے گا کہ اس کا علاج یہ ہے کہ مسلمان خود اپنی حکومت بنا دیں، یا ان ممالک سے ہجرت کر جاویں۔ تو حکومت کا بنانا اس مظلوم کے اختیار میں تو نہیں ہے جس کے ساتھ ظلم ہوا ہے یا جس کی زمین یا مکان غصب کیا گیا ہے یا جس کی عورت کی بے حرمتی کی گئی ہے، یا جس کے بیٹے یا بھائی کو قتل کیا گیا ہے۔ رہی ہجرت تو ہندوستان کے ۹ یا ۱۰ کروڑ مسلمان یا چین کے دو چار کروڑ مسلمان ہجرت کر کے کہاں جا سکتے ہیں اور کون ایسا ملک خالی پڑا ہے کہ جس میں وہ سما سکیں؟ علاوہ بریں مولانا مودودی صاحب اور "اسلامی جماعت" کے کہنے کے مطابق تو اسلامی ممالک مثل افغانستان، ترکی، مصر وغیرہ میں سے بھی کوئی ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان ہجرت کر کے جا سکتا ہے کیونکہ مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق ان سب میں بھی جو حکومتیں قائم ہیں وہ سب طاغوت کی حکومتیں ہیں اس لیے بیچارے مسلمانوں کے لیے "نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن" کا مضمون ہے۔ کیا دین اسلام ایسے ناقابل العمل نظریوں کا حامل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو مسئلہ زیر بحث تھا اس کے متعلق مجھکو جو کچھ عرض کرنا تھا وہ تو میں عرض کر چکا۔ اب مجھکو چند الفاظ مولانا مودودی صاحب کے اس ادعا کی بابت عرض کرنا ہیں کہ "اسلامی جماعت" ہی صرف وہ جماعت ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی صحیح سیاسی رہنمائی کر رہی ہے، باقی جتنی دیگر سیاسی جماعتیں ہیں خواہ وہ مسلم لیگ ہو، احرار ہوں، خاکسار ہوں، یا آزادی پسند علماء ہوں (جن میں غالباً جمعیۃ العلماء بھی شامل ہے) ان سب جماعتوں کی اس باب میں اس وقت تک کی کل کارروائی مثل حرف باطل کے مٹا دینے کے قابل ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ مولانا مودودی صاحب اور "جماعت اسلامی" کے دستور، پروگرام یا لائحہ عمل میں اس وقت تک کوئی ایسی بات ہے جو اسلامی جماعت کو ان خطابات کا حق دیتی ہو؟ مولانا مودودی صاحب کی تقریر و تحریر اور جماعت اسلامی کے دستور اور جماعت اسلامی کے اجتماعات کی روداد کو آپ پڑھ جائیے، جو بات آپ کی توجہ خاص طور پر اپنی طرف کھینچے گی وہ نواہی کی کثرت اور اوامر اور عمل کی کمی یا فقدان ہو گا۔ مثلاً نئے منہیات شرعیہ کی جو فہرست مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کی طرف سے ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لیے تیار کی گئی ہے اس میں سے بعض یہ ہیں:-

(۱) ملک میں جو نظام حکومت قائم ہے یا آئندہ قائم ہو اس کا رکن بننا ممنوع ہے۔

(۲) کسی میونسپل بورڈ یا ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بننا ممنوع ہے۔

(۳) ملکی عدالتوں میں مستغیث یا مدعی بن کر جانا ناجائز ہے۔

(۴) ملکی عدالتوں میں بطور وکیل کے پیروی کرنا ناجائز ہے۔

(۵) موجودہ نظام حکومت کی کسی قسم کی ملازمت اختیار کرنا ممنوع ہے

ملازمت کے ذریعہ سے اگر مسلمانوں کو آمدنی ہو تو اس کا کھانا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی کے ساتھ اگر پوچھا جاوے کہ کوئی اوامر بھی مولانا مودودی صاحب یا "اسلامی جماعت" کی طرف سے جاری ہوئے یا نئے اعمال (جو مسلمانوں کو کرنا چاہئیں) ان کی کوئی فہرست مولانا مودودی صاحب یا "اسلامی جماعت" کی طرف سے شائع ہوئی تو جواب آپ کو نفی میں ملے گا۔ خود افراد جماعت اسلامی کو اس کا احساس ہے اور وہ امیر جماعت سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمیں کچھ کام کرنے کو بتایا جاوے تو محض الفاظ کے ذریعہ سے ان کا منہ بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اجتماع دربھنگہ کی روداد میں (دیکھو ترجمان القرآن بابت نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء صفحہ ۲

مولانا مودودی صاحب خود فرماتے ہیں "بہت سے ارکان جماعت ایسے ہیں جنھوں نے مجھ سے بالمشافہ اور بالمراسلہ یہ سوال کیا ہے کہ ہمارے لیے پروگرام کیا ہے اور ہم کیا کریں۔ یہ پروگرام کا مطالبہ اور یہ تصور کہ ان لوگوں کے کرنے کے لیے کوئی کام بتایا نہیں گیا اس کی بنا یہی ہے کہ ہمارے رفقا ابھی تک پوری طرح نہیں سمجھے ہیں کہ جس تحریک کی خدمت کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔" اس اوپر کے اقتباس سے کم از کم یہ تو ثابت ہوگیا کہ جماعت اسلامی کا سیاسیات میں یا کسی دوسرے میدان عمل میں کوئی پروگرام نہیں ہے نہ افراد جماعت کو ابھی تک یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کیا کریں۔ مزید برآں اسی دربھنگہ کے اجتماع کے موقع پر رفقا میں سے ایک صاحب نے ایک اسکیم پیش کی کہ "ارکان جماعت کو مال حرام سے اجتناب کی وجہ سے جو مالی مشکلات پیش آتی ہیں انھیں دور کرنے کے لیے مختلف مقامات پر اس طرز کی کاروباری اسکیمیں عمل میں لائی جاویں کہ کچھ مال دار اور کچھ کارندے مل کر دولت فراہم کریں اور یہ دولت ایک مقررہ تناسب سے سرمایہ لگانے والوں، محنت کرنے والوں اور جماعت کے بیت المال پر تقسیم ہوتی رہے......" (دیکھو صفحہ ۵۰۹ ترجمان القرآن بابتہ نومبر و دسمبر ۱۹۴۳ء)

اس تجویز کی مولانا امین احسن صاحب نے مخالفت کی اور فرمایا کہ جماعت کو اپنی جماعتی حیثیت میں اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت اور جد و جہد کے سوا کوئی کاروباری حرکت نہیں کرنا چاہیے۔ امیر جماعت نے مولانا امین احسن کی اس رائے کی تائید فرمائی اس لیے محرک کو اپنی تجویز واپس لینا پڑی۔
اگرچہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ کسی جماعت کا مسلمانوں کی معاشی حالت کی درستی کی کوشش کرنا اس جماعت کی اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت میں ہارج بن سکتا ہے تاہم اس تحریک پر بحث سے یہ تو ظاہر ہوگیا کہ اسلامی جماعت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی نہ کوئی ایسا کام اس کے پروگرام میں ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت کا بھی کوئی عملی پروگرام نہ مولانا مودودی صاحب کی کسی تقریر یا تحریر میں ہے نہ اسلامی جماعت کے دستور میں اس کی بابت کوئی دفعہ درج ہے نہ پبلک کے علم میں آیا کہ مولانا مودودی صاحب یا اسلامی جماعت نے اس وقت تک کوئی عملی اقدام اعلائے کلمۃ اللہ کی بابت کیا۔ نومبر ۱۹۴۳ء سے اس وقت تک جماعت اسلامی کے رفقاء کے متعدد اجتماع دربھنگہ، دہلی اور حیدر آباد دکن میں ہوچکے ہیں ان اجتماعوں کی روئدادوں کو ملاحظہ کیجیے ان سے بالکل ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی جماعت نے کوئی نیا قدم، نیا عمل، نئی کارروائی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کی ہو یا کوئی عملی کارروائی ایسی کی ہو یا کوئی عملی کارروائی اس کے پروگرام میں ایسی ہو جو موجودہ نظام حکومت کی قوت یا اثر کو کم کرنے یا مسلمانوں کے اثر یا قوت کو بڑھانے کا موجب ہو سکتی ہو۔ اگر کی ہے تو مولانا مودودی صاحب اور دیگر ارکان جماعت اس کو ظاہر فرماویں۔ یہی نہیں کہ جماعت اسلامی کی طرف سے اعلائے کلمۃ اللہ کے متعلق ابھی تک کوئی عملی کارروائی نہیں کی گئی بلکہ اگر کوئی دوسری جماعت اس باب میں کوئی عملی اقدام کرتی ہے تو مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کی طرف سے اس کی ہر طرح تنقیص کی جاتی ہے اور مسلمان عوام کی نگاہ میں اس کو مردود و مبغوض بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے دیگر ذرائع میں سے ایک ذریعہ یقینی طور پر یہ بھی ہے کہ جملہ کلمہ گو مسلمانوں کی تنظیم کی جاوے اور ان کو ایک سلسلہ میں منسلک کر کے ان کی اجتماعی قوت کو بڑھایا جاوے۔ مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت یعنی مسلم لیگ مسلمانوں کی تنظیم کا کام اپنے ذمہ لیتی ہے اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کرتی ہے مگر مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کی طرف سے مسلم لیگ کی اس کے اس گناہ تنظیم کی بابت کیا کچھ تنقیص و تحقیق نہیں کی جاتی۔ اس لیے جماعت اسلامی کی طرف سے مناہی کی فہرست میں اس قدر اضافہ اور عمل کا یہ فقدان ہرگز اعلائے کلمۃ اللہ کا موجب نہیں ہو سکتا کیونکہ شارع اسلام کے یہاں امر کو نہی پر ہمیشہ مقدم کیا گیا ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ اور ایمان کے ساتھ عمل نیک کی کلام پاک میں بار بار تاکید آئی ہے اور عمل کا ہی مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے یہاں فقدان ہے۔ کم از کم جماعت اسلامی کے دستور اور جماعت اسلامی کے اجتماعوں کی روئدادوں سے

پتہ نہیں چلتا کہ جماعت اسلامی نے اپنے افراد کے لیے کوئی نئے اوامر جاری کیے ہیں یا جماعت اسلامی کے افراد نے کہیں ایسے نئے اعمال یا افعال کا کرنا اختیار کیا ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کا باعث بن سکیں یا جو مسلمانوں کی دینی یا دنیاوی فلاح و بہبود کا موجب بن سکیں اور جو افعال و اعمال عام مسلمان نہ کرتے ہوں۔ لہذا جہاں تک عمل اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف عملی اقدام کا تعلق ہے، افراد جماعت اسلامی اور عام مسلمانوں کی حالت میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اگرچہ منہیات سے بچنا افراد اور جماعتوں دونوں کے لیے نہایت ضروری ہے تاہم کوئی قوم یا کوئی جماعت سلبی صفات کی بنا پر ترقی نہیں کر سکتی بلکہ ایجابی قوتوں کے زور پر ترقی کرتی ہے۔ مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت نے جو نئے نواہی کا اضافہ شرع اسلام میں کیا ہے ان کی بابت میں ثابت کر چکا ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی شرع سے ثابت نہیں ہے لیکن بالفرض اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جاوے اور ان پر مسلمان عامل بھی ہو جاویں تو بھی ایسا عمل مسلمانوں کو حقیقی ترقی کی طرف نہیں لیجا سکتا۔ جو چیز مسلمانوں کو حقیقی ترقی کی طرف لے جا سکتی ہے اور درحقیقت اعلاء کلمۃ اللہ کا باعث بن سکتی ہے وہ عمل، ٹھوس عمل، سراسر عمل، پیہم عمل ہے اور اسی چیز کا مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کے یہاں فقدان ہے۔

اس حقیقت سے تو کسی منصف مزاج شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جہاں تک اخلاقی اور شرعی مناہی سے بچنے کا تعلق ہے ہم مسلمان مغربی اقوام میں سے کسی سے بدتر حالت میں نہیں ہیں بلکہ مغربی اقوام میں اکثر و بیشتر اس بات میں ہم سے بدتر ہیں۔ اگرچہ ہماری اخلاقی حالت بھی کچھ گر گئی ہے تاہم شراب خوری، قمار بازی، زناکاری اور دیگر بیحیائی اور فحش کی باتوں میں اکثر مغربی اقوام ہم سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ باوجود ان معائب کے مغربی اقوام ہم پر ہر پہلو سے غالب اور مستولی ہیں۔ یہ کیوں؟ یہ محض اس وجہ سے کہ مغربی اقوام کے مقابلہ میں ہمارے یہاں فقدان عمل ہے۔ نہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں سے اس قدر کام لیتے ہیں نہ دماغ سے جس قدر کہ مغربی اقوام۔ نہ ہم فطرتی قوتوں کو مسخر کر کے اپنے کام میں لانا چاہتے ہیں نہ اجتماعی فائدہ کے لیے ذاتی مفاد کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم مسلمانوں میں بدقسمتی سے پہلے ہی سے بہت کچھ جمود و تعطل موجود ہے۔ مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت نواہی شرعیہ کی فہرست میں معتد بہ اضافہ کر کے اور ہمارے عمل کو جہاں تھا وہیں چھوڑ کر ہماری ترقی کو معکوس کرانا چاہتے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب اور اسلامی جماعت کی نظر میں اگر کوئی مسلمان موجودہ کونسلوں کی ممبری سے استعفا دیدے، میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری چھوڑ دے، ملکی عدالتوں میں وکالت کرنے سے اجتناب کرے، ملکی عدالتوں میں باوجود مظلوم ہونے کے استغاثہ دائر کرنے سے پرہیز کرے تو گویا اس نے بڑی خدمت دین کی اور اس کی یہ سلبی کارروائیاں بہت کچھ اعلاء کلمۃ اللہ کا باعث بن گئیں اور گو یہ کارروائیاں کرنے سے اس سادہ لوح مسلمان کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ جو کچھ دین کی خدمت اس پر واجب تھی اس کو اس نے باحسن الوجوہ انجام دیدیا اور اس کے بعد اس کو اور کچھ کرنا نہیں ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس جیسی سلبی کارروائی کوئی اصلی خدمت دین نہیں ہے۔ اصلی خدمت دین یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسری اقوام سے اگر بہتر نہیں تو ان کی برابر تو ضرور اچھا اور کامیاب کاشتکار، اچھا اور کامیاب تاجر، اچھا اور کامیاب سائنسداں، اچھا اور کامیاب مجاہد فی سبیل اللہ بنے۔ اس اور صرف اسی طریقہ سے ایک مسلمان اپنی اور اپنے اہل و عیال کی خدمت کے ساتھ سچی خدمت دین کر سکتا ہے۔ چونکہ مولانا مودودی صاحب اور ان کی اسلامی جماعت نے مسلمانوں کے مرض کی جو تشخیص کی ہے وہی غلط ہے اس لیے ان سے اس کے صحیح مداوے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ رہا مسلمانوں کی صحیح سیاسی رہنمائی کا بلند بانگ دعویٰ تو اس کے متعلق صرف اس قدر عرض ہے کہ اسلامی جماعت کے موجودہ پروگرام اور لائحہ عمل کے مطابق مسلمانوں کے لیے موجودہ نظام حکومت یا کسی آئندہ قائم ہونے والے نظام حکومت میں اس حکومت کا محکوم ہو کر رہنا تو جائز ہے مگر اس نظام حکومت کا باوجود قدرت کے حصہ دار اور شریک کار بنکر رہنا ناجائز اور حرام ہے۔ برخلاف اس کے کانگریس اور اس کے

ہم خیال علماء (آزادی پسند علماء) کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو غیر مسلم نظامِ حکومت میں اقلیت کی حیثیت سے حصہ دار بن کر رہنا چاہیے اور مسلم لیگ کا نصب العین یہ ہے کہ کم از کم ان صورتوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں مسلمان اکثریت کی حکومت قائم ہو۔ اب یہ ناظرین کا کام ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ ان تینوں جماعتوں میں سے کونسی جماعت مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر رہی ہے۔ فقط بس۔

ترجمان القرآن ۔ ہم جناب خان بہادر صاحب کے بہت شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس مسئلے کو چھیڑ کر ہمیں پھر ایک مرتبہ اپنا نقطۂ نظر صاف صاف پیش کرنے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ اگرچہ پچھلے تجربات کی بنا پر خود صاحب موصوف سے تو یہ امید نہیں ہے کہ وہ ہمارے دلائل ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنی رائے میں ذرہ برابر بھی کوئی ترمیم کرنے پر راضی ہوں گے، لیکن ہم اس بحث میں اپنا وقت صرف اس امید پر صرف کر رہے ہیں کہ دوسرے بہت سے طالبینِ حق کو اس سلسلے میں اکثر ان گمراہ کن دلائل کا جواب مل جائے گا جو اطاعتِ غیر اللہ یا بالفاظِ دیگر اسلام بغیر اللہ کو جائز قرار دینے اور نظامِ کفر کی بندگی کو مباح بلکہ فرضِ کفایہ ٹھیرانے کے حق میں پیش کیے جاتے ہیں۔

قصۂ یوسف علیہ السلام کے زیرِ نظر پہلو پر ہم اس سے پہلے دو مرتبہ بحث کر چکے ہیں۔ پہلی مرتبہ رمضان و شوال ۶۲ھ کے "اشارات" میں۔ دوسری مرتبہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۶۳ھ کے "رسائل و مسائل" میں۔ پہلی بحث زیادہ مفصل و مدلل تھی اور دوسری مجمل و مختصر۔ لیکن جناب خان بہادر صاحب نے نہ معلوم کیوں پہلی کو چھوڑ کر دوسری کو مدارِ گفتگو بنایا، حالانکہ جو اعتراضات انھوں نے اپنے مضمون میں درج فرمائے ہیں ان میں سے اکثر کا، بلکہ شاید سب ہی کا جواب ہماری پہلی بحث میں انھیں مل جاتا۔ بہرحال یہ عدم التفات خواہ کسی وجہ سے ہو، ہمارے لیے اس میں خیر ہی کا پہلو نکل آیا کہ جن باتوں کو خود بار بار چھیڑ کر واضح کرنا ہمارے لیے مشکل تھا انھیں دوسروں کے چھیڑنے پر بیان کرنے کا ہمیں موقع مل گیا۔

دنیا میں ایک معقول آدمی سے جن چیزوں کی توقع کی جاتی ہے غالباً ان میں سب سے پہلی چیز یہ ہوتی ہے کہ اس کی باتوں میں تناقض نہ ہو۔ ایک معمولی عقل کا گنوار آدمی بھی جب کسی شخص کو ایسی باتیں کرتے دیکھتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف پڑتی ہوں تو فوراً ٹوک دیتا ہے، کیونکہ اس کی نہایت موٹی عقل بھی متناقض باتوں کی غیر معقولیت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ جن باتوں کی توقع کسی گھٹیا سے گھٹیا مگر ذی عقل انسان سے نہیں کی جا سکتی ان کی توقع اس خدا سے کی جاتی ہے جو خود عقل کا خالق اور تمام حکمت کا مالک ہے، اور اس سے بھی عجیب تر ماجرا یہ ہے کہ خدا سے اس انتہائی نامعقولیت کی توقع رکھنے والے، بلکہ اس کا مطالبہ کرنے والے کوئی جاہل، کودن لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ علما ہیں جو دنیا بھر کو علم و عقل کے درس دیتے ہیں اور وہ فضلا ہیں جن کی عقلیں اپنی دنیا کے معاملات چلانے میں خوب لڑتی ہیں۔ یہ ہوش مند حضرات اپنے خدا سے چاہتے ہیں اور یہ امید بھی رکھتے ہیں کہ اس کی باتوں میں تناقض ہو، یعنی وہ یہ بھی کہے کہ میں بادشاہ زمین و آسمان ہوں اور پھر اپنی زمین کے کسی گوشے پر کسی اور کی بادشاہی تسلیم بھی کرے۔ وہ یہ بھی کہے کہ لوگو تم سب میرے احکام کی اطاعت کرو اور پھر لوگوں کو یہ اجازت بھی دے بلکہ اس کو فرض تک قرار دیدے کہ ان حاکموں کی اطاعت بجا لائیں جو اس کے حکم کی سند کے بغیر اور اکثر حالات میں اس کے حکم کے خلاف احکام دیتے ہوں۔ وہ انسانوں کے لیے خود ایک قانون بھی بنائے اور یہ اعلان بھی کرے کہ میرا یہی قانون حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے اور پھر دوسرے قوانین کے نفاذ کو جائز بھی رکھے اور انہی انسانوں کو جن کے لیے اس نے قانون بنایا ہے یہ "حق" بھی دے کہ چاہیں خود اپنے لیے قانون بنا لیں اور چاہیں تو دوسروں کے قوانین کی پیروی کرتے رہیں۔ وہ اپنے پیغمبروں کو خاص اسی غرض کے لیے مبعوث بھی کرے کہ زمین کے باشندوں کو اس کا دین قبول کرنے کی دعوت دیں، اور پھر انہی پیغمبروں کو یا ان میں سے کسی کو اس بات کی اجازت بھی دے